احمد الدین مارہروی

ایک ناتمام عربی لُغت

"کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد"، فارسی کی مثل مشہور ہے۔ اگر دہلی کی مسجد قوۃ الاسلام، جس کی بنا قطب الدین ایبک کے ہاتھوں پڑی، مکمل ہو جاتی تو وہ نہ صرف اس زمانہ کی سب سے بڑی مسجد ہوتی۔ بلکہ آج ساڑھے سات سو برس گزرنے کے بعد بھی ربعِ مسکون پر وسیع ترین عمارت متصور ہوتی۔ لیکن قدرت کو اس کی تکمیل اس حد تک گوارا نہ ہوئی کہ مختلف بادشاہوں کی ساعی بھی اس سلسلہ میں بے اثر ثابت ہوئیں۔ یہی حال مشہور مؤرخ لین پول کے دادا ایڈورڈ ولیم کی اس عربی لغت کا ہوا، جو تین ہزار چونسٹھ صفحات شائع ہونے کے باوجود آج تک نامکمل ہے۔ مستشرقین اس کو اتمام تک پہنچانا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ لیکن نہ خود کو اس کا اہل سمجھتے ہیں، نہ اتنی محنت و جانکاہی کی ہمت رکھتے ہیں کہ لغت کے بقیہ حصہ کو پورا کر سکیں۔ سب سے بڑھ کر جو چیز مانعِ راہ ہے وہ عربی لغات پر گرفت اور قابو ہے جو لین کو بدوین کر اور عرصہ تک اُن کے درمیان رہ کر حاصل ہوا تھا۔

ایڈورڈ لین جس کا شمار دنیا کے سربرآوردہ اور ممتاز مستشرقین میں ہوتا ہے۔ پادری لین کا تیسرا فرزند تھا جو ۱۸۰۱ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم باپ کی نگرانی میں ہوئی جو اُسے اپنی طرح مذہب کا خادم بنانا چاہتا تھا۔ پھر ہیرفورڈ کے اسکول میں جہاں اس کا خاندان اقامت پذیر تھا، داخل ہو گیا۔ شروع ہی سے اس کا رجحانِ طبع قدیم زبانوں اور ریاضی کی طرف تھا۔ لیکن بجائے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے اس نے بڑے بھائی کے ساتھ دھات پر نقاشی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور فرصت کے اوقات میں پرائیویٹ طور پر عربی پڑھتا اور اعلیٰ صلاحیتیں حاصل کرتا رہا۔ چند ہی روز میں صحت جواب دینے لگی۔ پہلے گلے کی کھانسی کا شکار ہوا، پھر میعادی بخار میں مبتلا ہو کر بالکل ہی صاحبِ فراش ہو گیا۔ بدقت تمام افاقہ ہوا تو تبدیل آب و ہوا کی غرض سے جس میں عربی استعداد بڑھانے کا پہلو بھی شامل تھا مصر جانے کی ٹھان لی اور ۱۸۲۵ء میں ایک باربردار جہاز پر مشرقِ وسطیٰ کی طرف روانہ ہو گیا۔ دو مہینے سمندری

طوفانوں کا مقابلہ کرتے، موت سے بال بال بچتے، سندباد جہازی کی طرح خطرات جھیلنے کے بعد جب ساحلِ مصر پر قدم رکھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے ایک مشرقی دولہا اپنی نادیدہ دلہن کے چہرے سے پہلی مرتبہ گھونگھٹ اُٹھا کر اس کا رُخِ زیبا دیکھ رہا ہو۔

عربوں کے طور و طریق اور زبان سیکھنے کے واسطے اس نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو گیارھویں صدی کی ابتدا میں ابوریحان البیرونی نے کتاب الہند تصنیف کرنے کے لیے ہندوستان میں اختیار کیا تھا۔ اس نے مغربی لباس تج کر بدویانہ حرم (جُبّہ) پہن لیا۔ کانٹا چھری سے کھانا چھوڑ دیا۔ حتی الامکان مصری عوام کے طور و طریق اختیار کر لیے حتیٰ کہ جمعہ کی نماز میں بھی شرکت کرنے لگا۔ اور مقدس مقامات پر انگریزی طرزِ معاشرت کے بالکل خلاف جوتے اتار کر ننگے پاؤں جاتا تھا۔ اقامت کے واسطے اس نے ایک عالی شان مقبرے کو منتخب کیا جس میں ایک وسیع ہال تھا، جس کے دو حصے تھے اور جس کے سامنے مُردوں کی ہڈیوں کے ڈھیر، گودڑ اور رسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ سب پاپڑ اس واسطے بیلے گئے تھے کہ عوام اسے غیر ملکی سمجھ کر ملنے سے اعراض نہ کریں۔ بلکہ ایک درویش سمجھ کر خود ملنے کے واسطے آئیں اور گھل مل جائیں۔ چنانچہ اس مقصد میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہا، اور وطن واپس جا کر اُس نے مصر کے تمدن و معاشرت کے متعلق ایک معلوماتی کتاب بھی لکھی جو دسمبر ۱۸۳۲ء میں ایک لمبے چوڑے نام سے انجمن ترویج علوم شرقیہ کے زیر اہتمام نہایت گندے کاغذ پر شائع ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی دوسری کتاب شاید ہی اتنی مقبول ہوئی ہو۔ اس کا پہلا ایڈیشن پندرہ دن کے اندر ہی فروخت ہو گیا اور دوسرے کی بھی ساڑھے چھ ہزار کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں۔ لین کا نام چاردانگ عالم میں مشہور ہو گیا۔ دوسری طرف یہ فائدہ ہوا کہ اس کے ہاتھ میں اتنی رقم آگئی کہ وہ ایک مرتبہ پھر مصر جا کر عربی زبان اور اس کے لغات و محاوروں کا مطالعہ کر سکے۔

چنانچہ ۱۸۳۳ء میں دوبارہ عازمِ مصر ہوا۔ اس مرتبہ اس نے اپنے قدیم دوست عثمان کے ذریعہ سے ایک مکان کا انتظام کر لیا تھا۔ کتابوں کی فراہمی کے سلسلے میں ایک دوسرا مصری دوست شیخ احمد جو جماعت صوفیہ کا ایک سرگرم رکن تھا، بہت ممد ثابت ہوا۔ مصر اس زمانہ میں ایک نئے دور سے گزر رہا تھا، قدیم و متوسط اسلامی تہذیب چولا بدل رہی تھی۔ محمد علی پاشا نے وہابیوں کو شکست دے کر ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ مصری فوج کے ذریعہ یونانیوں کی بغاوت فرو کر کے وہاں اپنی دھاک

بیٹھا چکا تھا۔ بعض اہم اصلاحات کے ذریعہ مصر میں نشاۃ ثانیہ کی ابتدا ہو گئی تھی۔ قدیم باشندے اپنے رسم و رواج کو بہر صورت قایم رکھنا چاہتے تھے، اس لیے اہلِ مغرب کو اپنا، اپنے مذہب اور تمدن کا دشمن سمجھ کر نہ صرف ان سے کتراتے بلکہ ان کی مخالفت کو بھی ایک اہم فریضہ تصوّر کرتے تھے۔ لیکن لینؔ نے ترکی وضع اختیار کر لی تھی اور چونکہ باقاعدہ نماز پڑھتا تھا۔ اس لیے کسی کو اس پر انگریز یا عیسائی ہونے کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا اور اس طرح اس نے چند ہی روز میں مقامی لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ عربی ادب میں سب سے زیادہ جاذب توجہ جو کتاب اس کو نظر آئی وہ الف لیلہ تھی، جو پڑھنے والوں کو ایک نئی افسانوی دنیا میں پہنچا دیتی ہے۔ جہاں سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا، اس لیے اس سفر میں اس نے اس کے کئی نسخے جمع کیے اور ان کی مدد سے ایک جامع ترجمہ : ARABIAN NIGGTS ENTERTAINMENTS کے نام سے شائع کر دیا، جو اس وقت بھی بے حد مقبول ہوا اور آج بھی رومانی طبیعت رکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اس دوران میں وہ قرآن مجید کا بھی مطالعہ کرتا رہا۔ جس کا ایک غلط اور مسخ شدہ ترجمہ سیل نے انگریزوں کے ہاتھوں تک پہنچا دیا تھا۔ لینؔ چاہتا تھا کہ اس کے اہلِ ملک اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اصولوں سے کماحقہٗ آگاہ ہو جائیں اور بے جا تعصب ترک کر کے مسلمانوں کے اعتقادات، تہذیب و تمدّن کا عمیق مطالعہ کریں۔ پورے مصحف پاک کا ترجمہ آسان نہ تھا اس لیے اس نے اپنی رائے کے مطابق بعض مخصوص سورتوں اور آیتوں کا ترجمہ کر کے انھیں A SELECTION FYOM THE QURAN کے نام سے شائع کیا جو بڑی حد تک صحیح بھی ہے اور قرآن پاک کے مطالب کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے برخلاف سیل اور دوسرے مترجموں کے معاندانہ نہیں بلکہ منصفانہ پہلو اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے:

"تعریف ہو خدا کی جو دونوں عالموں کا مالک ہے (یعنی تمام مخلوق کا بشمول جنّ و انس، فرشتے اور حیوان اور دوسری مخلوقات، لیکن بالخصوص وہ جن کو عقل و سمجھ کی نعمت عطا ہوئی) وہ مہربان اور شفیق ہے اور روزِ جزا کا (یعنی یوم حشر) کا بادشاہ ہے۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد کی التجا کرتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا، اُن لوگوں کی راہ جن کو تُو نے سیدھا راستہ دکھا کر اپنا فضل فرمایا نہ کہ اُن کا جن سے تو ناراض ہے (جو یہودی ہیں) نہ غلطی

کرنے والے گمراہوں کا (جو عیسائی ہیں)"

(۲)

لیکن لین کی اصل شہرت کا باعث وہ عربی لغت ہے جو اگر تکمیل تک پہنچ جاتی تو بلاشبہ اس زبان کی سب سے بلند پایہ تالیف ہوتی۔ کیونکہ باوجود ادھوری ہونے کے بھی اس جیسی قاموس آج تک مدوّن نہ ہوسکی۔

۱۸۴۲ء میں ڈیوک آف نارتھمبرلینڈ نے جو السنہ شرقیہ کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ لین کو لکھا کہ اگر وہ ایک عربی لغت مرتب کرنے پر آمادہ ہو تو اس کے کل اخراجات لارڈ موصوف خود برداشت کریں گے یہ ایک ایسی پیش کش تھی جس کو رد کرنا لینؔ جیسے محقق کے واسطے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب تفصیلات طے ہو گئیں تو اُس نے رختِ سفر باندھا اور سہ بارہ مصر کی راہ لی۔ اس مرتبہ چونکہ روپیہ کی کمی نہ تھی اس لیے وہ ڈاک کے جہاز سے روانہ ہوا اور اپنے ہمراہ اپنی بہن اور بیوی کو بھی لیتا گیا جس نے آگے چل کر اپنے تاثرات "انگریزی عورت مصر میں" ENGLISH WOMAN IN EGYPT نامی کتاب میں شایع کیے۔ اس قیام کے دَوران اس کا سب سے مشکل کام اہم عربی لغات کی تلاش و بہم رسانی اور پھر اُن کی نقول حاصل کرنا تھا۔ اہلِ عرب زبان کے سب سے بڑے ماہر ہوتے ہیں اور لغات کے تو کیڑے سمجھے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اُن کی تصانیف بھی لامتناہی ہیں۔ لیکن کوئی بڑا کتب خانہ نہ ہونے کے باعث یہ کتابیں گھروں، مسجدوں، خانقاہوں اور مدرسوں میں بکھری ہوئی تھیں۔ چھاپے کی کتابوں سے مصر اس وقت تک ناآشنا تھا۔ مخطوطات کا طرزِ تحریر مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے ایک کتاب کے ساتھ دوسری کا مقابلہ آسان کام نہ تھا۔ پھر کوئی شخص اپنی قیمتی کتاب کا نسخہ دوسرے کو عاریۃً دینا بھی پسند نہ کرتا تھا کہ مبادا تلف ہوجائے اور لینؔ تو بہرحال ایک فرنگی تھا، جو مذہب اور اخلاق دونوں حیثیتوں سے نہایت پست سمجھے جاتے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک شخص ابراہیم الدسوقی کی خدمات حاصل کیں جو جامعہ ازہر کا طالب علم اور ملاقی میں معلم رہنے کے علاوہ سرکاری جریدہ کا ایڈیٹر بھی رہ چکا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ مساجد اور مدارس کے کتب خانوں سے قاموس اور لغات کے چند جزو اپنے نام پر پڑھنے کے لیے مستعار لے آتا اور لینؔ دن رات ایک کرکے ان کا مطالعہ کرتا۔ کُل کی نقل کرلیتا یا ان سے ضروری یادداشتیں مرتب کرلیتا۔ درمیان میں ایسا زمانہ بھی آجاتا جب کوئی معتدبہ کتاب

یا اجزا حاصل نہ ہو سکتے اور کام رُک جاتا۔

جوئندہ یابندہ مثل مشہور ہے۔ کتابوں کی تلاش کی جا رہی تھی، پیسہ کی کمی نہ تھی لوگ طرح طرح کے مخطوطات اس کے پاس فروخت کے لیے لاتے رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں مشہور تصنیف تاج العروس کا ایک نامکمل نسخہ اس کے ہاتھ آگیا جس میں خوش قسمتی سے قاموس کا وہ نامکمل متن بھی شامل تھا جو عربی لغت کی جان سمجھا جاتا ہے اور صحت و وضاحت کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ اس کو پڑھنے اور صاف کرکے لکھنے میں سات برس کا عرصہ لگا، وہی ابراہیم دسوقی، جو کتابوں کے حصول میں اس کا دست راست تھا اب کتابت کے کام پر مامور ہوا۔ کبھی کبھی کسی دوسرے منشی کی امداد بھی حاصل کر لی جاتی تھی۔ کام دن رات جاری رہتا تھا۔ قاموس کے علاوہ دوسری متداول لغات پر بھی نظر رکھی جاتی تھی اور اُن سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ صرف جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی۔ اس روز مختلف لوگ آکر لین سے ملتے تھے، علمی مباحثہ کرنے اور عقاید کے متعلق گفت گو ہوتی تھی۔ باہر نکلنا بہت کم ہوتا تھا، سات مہینے تو وہ بالکل ہی خانہ نشین رہا اور سات سال کے عرصہ میں صرف ایک مرتبہ تین دن کے لیے بہن اور بیوی کو اہرام مصر کی سیر کرانے کے لیے قاہرہ سے باہر گیا۔

دوسرا بڑا اہم اور مشکل کام اس لغت کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ کرنا تھا۔ صحیح مفہوم کے ساتھ مترادف الفاظ کی تلاش جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی، دماغ ہر وقت اسی ادھیڑ بُن میں مصروف رہتا تھا اور "جب کوئی عمدہ اصطلاح ذہن میں آتی تو طبیعت باغ باغ ہو جاتی تھی۔" عرب لوگ کسی بات کو بغیر معتمد راوی کی شہادت کے قبول نہیں کرتے۔ اس لیے الفاظ کے مطالب میں بھی اس خصوصیت کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں الفاظ کے معانی و مفہوم بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اکثر ایسے لفظوں سے بھی سابقہ پڑتا جن کے معنی قاموس کی تصنیف کے زمانے سے اب بالکل ہی مختلف تھے، اس لیے لغت میں ان کا اضافہ بھی ضروری تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس تالیف کی قبل از وقت شہرت ہوگئی اور سب سے پہلے جرمنی کی انجمن علوم شرقیہ نے ۱۸۴۶ء میں لین کو اپنا ایک ممتاز رکن منتخب کر لیا۔ لیکن انگلستان کی حکومت کو خاص طور پر اس طرف توجہ دلانے کے لیے سلسلہ جنبانی کرنی پڑی جس کے بعد وزیر اعظم نے اسے کارِ خیر کے فنڈ سے سالانہ امداد دینا منظور کر لیا۔

۱۸۴۰ء میں لین مصر میں اپنا کام ختم کر کے وطن واپس آ گیا اور لغت کی تالیف میں اس طرح منہمک ہو گیا کہ لوگ اسے گوشہ نشین تصوّر کرنے لگے۔ پچیس برس جس محنت شاقہ سے اس نے کام کیا اس کا حال مورخ لین پول نے اس طرح لکھا ہے:-

"میرے بڑے چچا اباعلی الصباح ناشتہ کرنے کے بعد صبح تین یا چار گھنٹے کام کرتے تھے، کھانا جلدی جلدی کھا کر ایک منٹ ضایع کیے بغیر پھر کام میں لگ جاتے اور چار بجے تک مصروف رہتے۔ اگر موسم اچھا ہوتا اور اُن کی تندرستی بھی ٹھیک ہوتی تو ایک گھنٹہ بیوی بچوں کے ساتھ چہل قدمی کرتے، پھر واپس آ کر چائے پیتے اور چھ بجے سے دس بجے تک دوبارہ مخطوطات اور مسودات میں گم ہو جاتے۔ پھر معمولی سا کھانا کھا کر سو جاتے۔ ابتداءً شام کو تین چار میل ٹہلتے تھے لیکن عمر میں اضافہ کے ساتھ یہ اضافہ نصف میل کی چہل قدمی تک محدود ہو گیا تھا۔ ملاقاتیں تقریباً موقوف ہو گئی تھیں لیکن جو کبھی اُن سے ایک دفعہ ملتا وہ دوستی کا دم بھرتا ہوا جاتا تھا، وہ خود کبھی کسی کے ہاں نہ جاتے تھے۔"

(۳)

لین نے اس لغت کے متعلق تجویز کیا تھا کہ اس کے دو جُداگانہ سلسلے شایع کیے جائیں گے۔ ایک میں متداول اور قدیم الفاظ شامل ہوں گے اور دوسرے میں متروک و مخصوص۔ اور اشاعت وقفہ وقفہ سے حصص میں ہوا کرے گی۔ چنانچہ پہلی جلد تین جدولوں (کالم) کے ۴۷۶ صفحات پر مشتمل ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی اور تمام مستشرقین نے یک زبان ہو کر اس کو ملکہ وکٹوریہ کے دَور کی سب سے لاجواب اور منفرد تالیف گردانا۔ جس کے صلہ میں رائل سوسائٹی آف لٹریچر نے لین کو اعزازی ممبر منتخب کر کے اس کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔

اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ اسکول کی تعلیم کے بعد لین نے یونیورسٹی میں داخلہ کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اب اہلِ علم کو یہ احساس ہوا کہ ایسے قابل آدمی کا بغیر کسی ڈگری کے علمی شہرت تامہ حاصل کرنا خود یونیورسٹیوں کی تضحیک ہے۔ چنانچہ لنڈن یونیورسٹی نے اپنے صد سالہ جشن کے موقع پر اُسے ڈاکٹر آف لیٹرس کی اعزازی ڈگری دینے کی پیش کش کی مگر اس درویش صفت عالم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد لغات کی دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں جلدیں بالاقطاع شائع ہوتی رہیں جو کل

ملاکر ۳۰۶۴ صفحات پر مشتمل تھیں۔ لیکن تالیف کا کام ق، د تک پہنچا تھا کہ اس مرد مجاہد کی صحت جواب دینے لگی۔ بلکہ ایک بخار جس کے ساتھ کھانسی کی بھی آمیزش تھی، آخری منزل کا راستہ دکھانے لگا۔ لین کو جلد ہی اس کا احساس ہوگیا کہ رخصت کا وقت قریب آرہا ہے اس لیے اُس نے بجائے آرام کے کام کی رفتار اور تیز کر دی جس سے صورت حال اور ابتر ہوگئی۔ زکام کے ایک زبردست حملے نے اسے بالکل ہی صاحب فراش کر دیا مگر اس پر بھی وہ بدستور کام میں لگا رہا اور زندگی کے صرف آخری چار دن ایسے تھے جس میں اس کی انگلیوں نے قلم کو گرفت میں لینے سے انکار کر دیا اور اس کا یہ عظیم الشان کارنامہ اتمام تک نہ پہنچ سکا۔

لین کے انتقال کو آج تقریباً پچانوے برس ہوچکے ہیں۔ عربی زبان نے اس ایک صدی میں بڑے بڑے عالم پیدا کیے نہایت بلند پایہ تصانیف معرضِ وجود میں آئیں۔ لیکن تمام اہل الرائے متفق ہیں کہ اس جیسی لغت آج تک تالیف نہیں ہوسکی اور یہ اعتراف ہی اس کو مستشرقین کی صف اول میں جگہ دینے کے واسطے کافی ہے۔

بعد میں اس لغت کو لین پول نے متوفی کے مسودات کی مدد سے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی اور چند جلدیں شائع بھی کیں لیکن دونوں میں بیّن طور پر بُعد مشرقین نظر آتا ہے۔

لین نے ایک ایک لفظ کی تحقیق کے واسطے بعض اوقات سو سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا، ہر معنی کے واسطے قوسین میں سند کا حوالہ دیا اور تحقیق و تدقیق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مثال کے طور پر صرف ایک لفظ "عین"، لے لیجیے۔ اس کے متعلق آٹھ جدولوں میں بحث کی گئی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"ہم شکل لیکن مختلف المعانی لفظ ہے (م ش) قاموس میں اس کے ۴۸ معنی دیے ہوئے ہیں۔ لیکن (م ف) کے مطابق سو سے متجاوز ہیں۔ قرآن شریف میں یہ لفظ ۷ معنوں میں استعمال ہوا ہے آنکھ، نظر، وہ عضو جس کے ذریعہ نظر کام کرتی ہے۔ بیل کی آنکھ۔ آسمان میں بُرج ثور کی جنوبی آنکھ پر جو بڑا سُرخ ستارہ چمکتا ہے۔ سوئی کا سوراخ۔ شکل و شباہت میں عضو نظر سے مشابہت رکھنے والا۔ چمڑے کی مشک میں گول سوراخ یا شگاف۔ کھال میں نیلے حلقے۔ دائرے یا گول مقام جھلّی یا کھال میں اس قسم کا کوئی نقص یا خامی۔ گھٹنے کا چھوٹا خلا یا جوڑ۔ کھال یا چھوٹے چمڑے کا وہ ٹکڑا جس میں بندق

یا غلّے جو قوس یعنی کمان سے چلائے جاتے ہیں (جن کو بالستہ یا بلستہ کہتے ہیں) یا رکھے جاتے ہیں۔ وہ گڑھ یا جوف جس میں پانی، رہتا، جمع ہوتا، یا جمع رہتا ہے۔ وہ مقام یا جگہ جہاں سے کنوئیں میں پانی آتا ہے۔ زمین یا کسی اور مقام سے اُبلنے والے یا اچھلنے والے ایسے پانی کا منبع یا مخرج جو آگے بہنے لگتا ہے کسی کنوئیں میں پانی کی فراوانی۔ پانی کا ایک قطرہ۔ بیج سے نکلنے والا کلا۔ آنکھ یا آنکھ کی مثل۔ جاسوس۔ آنکھ بمعنی نگاہ یعنی دیکھنا۔ اسی لیے نظر بد لگ جانا۔ انسان، کوئی شخص۔ اس لحاظ سے جاسوس خواہ مرد ہو یا عورت۔ رئیس۔ سردار حکمران یا کوئی بڑا آدمی۔ حقیقی بھائی جو ایک ہی ماں اور باپ سے پیدا ہوں۔ منتخب یا بہترین شے، سامان، گھریلو استعمال کی چیزیں، فرنیچر، برتن، اونٹ / مویشی یا دوسری اشیا نقد روپیہ، رقم یا صرف روپیہ۔ ایک یا زیادہ دینار یعنی سونے کے سکّے، عموماً سونا جس کی آنکھ سے مثال دی جاتی ہے۔ کیونکہ جس طرح آنکھ انسانی اعضا میں سب سے اہم ہے۔ اسی طرح سونا تمام دھاتوں میں افضل متصوّر ہوتا ہے ۔۔۔۔"

اکثر مستشرق نہایت متعصب گذرے ہیں، جنھوں نے دوستی اور ہمدردی کے پردے میں اسلامی اصولوں اور روایات کو اس طرح مسخ کرکے پیش کیا ہے کہ اہلِ مغرب اور آج کل کے ناواقف مسلمان اسلام کو ایک فرسودہ، غیر فطری اور دُور از کار طریقِ حیات تصوّر کرنے لگے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جنھوں نے تعصّب سے کام تو نہیں لیا لیکن غیریت ضرور برتی ہے۔ ان کے مقابلے میں لین وہ واحد مستشرق ہے جس نے اہلِ اسلام کے درمیان رہ کر مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرکے اُنہی کے طور و طریق اختیار کر لیے تھے۔ زبان سے تو وہ یہی کہتا تھا کہ مَیں عیسائی ہوں، لیکن ہر کام کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرتا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اسلامی طریق پر خدائے واحد کا شکر ادا کرتا تھا۔ اگر کوئی نقصان ہو جاتا تو کسی صابر و شاکر مسلمان کی طرح انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کرتا تھا۔

وہ اسلام کی عظمت کا سچے دل سے قائل تھا اور دوستوں سے اس کے متعلق بحث کیا کرتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اُسے کوئی صحیح راستہ دکھانے والا مل جاتا تو اسلام قبول بھی کر لیتا۔